کیسے عشق ہوا تم سے

نادیہ احمد

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

کیسے عشق ہوا تم سے



نادیہ احمد



کیسے عشق ہوا تم سے

کتابی شکل : پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام





تڑپ رہی ہے ہر ایک تمنا
نہ تم سے ملتے نہ ایسا ہوتا
بجھی بجھی سی ہے دل کی دنیا
نہ تم سے ملتے نہ ایسا ہوتا

''نہیں... میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا نہیں ہوسکتا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھی اب تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔اس کے کہے لفظوں کی گونج اب بھی کانوں میں سنسنا رہی تھی۔

''وہ میرے ساتھ دھوکا کر ہی نہیں سکتا آخر میں...'' وہ جو اس وقت سے ایک ہی جگہ پر ساکت بیٹھی تھی، تڑپ کر اٹھی۔خود کو یقین

دلاتے ہوئے بے ساختہ زبان لڑکھڑائی اور وہ بے دم سی واپس اپنی جگہ پہ بیٹھ گئی۔

''لیکن... ایک وہ ہی تو ہے جو میرے ساتھ دھوکا کر سکتا ہے۔''

دل کو خوش فہمی سے نکلنے میں بس چند ہی پل لگے تھے۔

''کتنی آسانی سے بیوقوف بن گئی میں' اس کی اصلیت جان کر بھی اس کی باتوں میں آگئی۔اوہ مائی گاڈ... میں اتنی احمق، اتنی کم عقل کس طرح ہو سکتی ہوں۔کتنی آسانی سے اس نے مجھ سے بدلہ لیا اور میں...؟''

اس بار اس کا دل اپنے بال نوچنے کو چاہا۔واقعی اس نے سب کچھ اپنی رضا مندی سے ہی تو کیا تھا۔کوئی جبر، کوئی دباؤ نہ تھا۔بہت آرام سے وہ، وہ سب کچھ کرتی چلی گئی جو وہ اس سے کہتا رہا، اس کی ہر بات پہ آنکھ بند کرکے یقین کرتی رہی پھر اب کس لیے اپنے کیے پہ پچھتا رہی تھی یا پھر آج کے بعد زندگی میں پچھتاوں کے سوا باقی کچھ تھا ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

کمرے میں اس وقت الارم کی آواز گونج رہی تھی۔الارم کی آواز اتنی اونچی تھی کہ کان پڑی آواز کا سننا بھی مشکل تھا لیکن یہ فقط اسی کا حوصلہ تھا جو اتنی پرسکون نیند سو رہا تھا ورنہ خیر سے اس کمرے میں بجتے الارم کی آواز سے تو پڑوسی تک جاگ جاتے تھے۔اس مستقل مزاجی سے ہوتے شور و غوغا نے بالآخر اس کی نیند میں رخنہ ڈالا اور اس نے کسلمندی سے اٹھتے ہوئے ایک ہاتھ سے آنکھیں ملیں ہوئے دوسرا ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور ایک ہی جست میں نرم گرم بستر سے باہر نکل آیا۔وہ جتنی گہری نیند سوتا تھا جاگنے کے بعد اتنی چستی اور بشاشت پہ سب ہی حیران ہوتے تھے ورنہ تو بہت سے لوگ کتنی ہی دیر بستر میں دبکے انگڑائیاں لیتے رہتے ہیں۔

سامنے رکھے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے بے اختیار اس نے انگلیوں سے اپنے بال سنوارے اور اپنی اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھا جہاں کل رات دیر تک کام کرنے کی وجہ سے بہت سے کاغذ اور کتابیں بے ترتیبی سے رکھی تھیں۔میز پہ ان ہی کاغذات کے درمیان

سفید کاغذوں کا ایک دستہ الگ رکھا تھا جو دوسرے کاغذات کی نسبت ترتیب میں تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کاغذات کو اٹھایا اور ایک ایک ورق پلٹنے لگا۔بے اختیار اس کے لبوں پہ ایک آسودہ اور اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔یہ اس کی پچھلے ایک ہفتے کی محنت تھی۔ہلکی سی سیٹی بجاتے ہوئے اس نے کاغذات اپنی روزمرہ کی فائل میں احتیاط سے رکھ دیے اور خود باتھ روم میں جا گھسا۔

جیسے ہی اس کا باتھ روم کا دروازہ بند ہوا اس کے بیڈ روم کا دروازہ بنا آہٹ اور شور کے کھلا تھا۔پہلے اس کا سر اندر آیا اور پھر اس تسلی کے ساتھ کہ کمرہ خالی ہے وہ خود بھی اندر داخل ہوئی۔بلی کی طرح دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کا رخ اسٹڈی ٹیبل کی طرف تھا جہاں اب بھی بے ترتیبی نظر آرہی تھی۔ترتیب تو خیر اس پورے کمرے میں ہی ڈھونڈے سے نہیں ملتی تھی کہ اسے ترتیب سے نفرت تھی اسی لیے تو یہاں ہر وقت پھیلاوہ پھیلا رہتا تھا۔ماسوائے اس کے کمپیوٹر اور میوزک انسٹرومنٹس کے جنہیں وہ کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا تھا اور اگر

صفائی کے دوران غلطی سے ان کی جگہ بدل دی جاتی تو اچھا خاصا ہنگامہ مچ جاتا تھا۔اس نے آنکھیں سکیٹر کے میز کی حالت کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس پہ ہزار بار لعنت بھیجی اور پھر اپنے ہاتھ میں پکڑا کاغذوں کا پلندا میز پہ رکھ کر جلدی سے اس کی فائل کھول کر اس میں رکھا کاغذوں کا دستہ نکال لیا جس پہ جلی حروف سے اس کا نام چھپا ہوا تھا اور جسے وہ کچھ دیر پہلے مسکراتے ہوئے اپنی محبوبہ کی طرح دیکھ رہا تھا۔

پن اوپنر میز پہ ہی تھا۔اس نے پن اوپنر کی مدد سے ان کاغذات سے پن کو نہایت احتیاط سے الگ کرکے ٹائٹل کور کو اپنے ساتھ لائے کاغذوں کے دستے پہ لگا کر انہیں اسٹیپل کرکے اس کی فائل میں بالکل اسی طرح واپس رکھ دیا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔اس تمام کاروائی کے بعد اس نے فائل میں رکھے اس کے پرنٹ شدہ کاغذات کا پلندا اٹھایا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اس بات کی تسلی کی تھی کہ اسے کسی نے بھی دیکھا نہیں ہے۔اب اس کا مِشن پورا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

’’چچی‘ جلدی سے ناشتہ لے آئیں‘ آج ہمیں جلدی پہنچنا ہے۔‘‘

لاؤنج میں لگے گھڑیال نے ساڑھے سات بجائے اور ارحم اپنے گیلے بالوں کو سنوارتا‘ فائل اور گاڑی کی چابی تھامے ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ مسکرا کر سلام کرتے ہوئے اس نے ناشتے کے لیے آواز لگائی۔ڈائننگ ٹیبل پہ پہلے ہی عبیر اور شاہان بیٹھے ناشتہ کررہے تھے۔عطیہ بیگم بیٹے اور بھتیجی کو ناشتہ دے کر اب اسی کی منتظر تھیں۔اسے آتے دیکھ سر ہلا کر مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چل دیں۔ صبح کے ناشتے کی ذمہ داری ان کی تھی جبکہ دوپہر کا انتظام صفیہ بیگم کے ذمہ تھا البتہ رات میں ان دونوں کے ساتھ دونوں لڑکیاں بھی مل کر مدد کرتی تھیں۔

''یہ ژالے نہیں آئی ابھی تک۔ہر روز اس کی وجہ سے دیر ہوتی ہے۔ابھی ناشتے میں دس گھنٹے لگائے گی۔جاؤ عبیر' اسے بلا کر لاؤ پھر ہمیں نکلنا ہے۔'' میز پر اس کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور صبح کے اخبار پہ نظر ڈالتے ہوئے بہن کو اسے بلانے کا حکم دیا۔وہ اٹھنے کے بجائے سر جھکائے ناشتہ کرتی رہی۔

''ژالے تو آج اپنی دوست کے ساتھ چلی گئی یونیورسٹی۔کہہ رہی تھی جلدی پہنچنا ہے۔اسے اسائنمنٹ جمع کروانا ہے۔'' چچی نے اس کی پلیٹ اور چائے کا مگ میز پہ رکھتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

''ہاں لیکن... اسائنمنٹ تو ہم دونوں کو ہی جمع کروانا تھا۔'' اخبار لپیٹ کر میز پہ واپس رکھتے ہوئے اس نے حیرت سے پہلے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا اور پھر جیسے تصدیق کے لیے دیوار گیر گھڑی کی طرف نگاہ کی۔اس کے انداز میں بے یقینی تھی کیونکہ وہ ہرگز سحر خیز نہ تھی اور تقریباً روزانہ کی بنیاد پہ اس کی وجہ سے سب لیٹ ہوتے تھے۔

''اچھا ہے ناں آج ہم ٹائم پہ کالج پہنچیں گے ورنہ تو روز آپا کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے۔'' شاہان کی بات پہ مسکراہٹ دباتے عطیہ نے بیٹے کو آنکھیں دکھائیں۔

گھر میں تین گاڑیاں تھیں۔ایک بڑے ابا یعنی یاور علی خان صاحب کے استعمال میں تھی۔اسی گاڑی کو گھر کی خواتین بھی استعمال کرلیا کرتی تھیں۔دوسری گاڑی دونوں بیٹوں عبدالرحمان اور عبدالرحیم کے زیرِ استعمال تھی۔چونکہ دفتر ایک تھا لہٰذا استعمال بھی ایک ہی تھا۔تیسری گاڑی بچوں کے لیے تھی جسے زیادہ تر ارحم ہی ڈرائیو کرتا تھا۔شاہان کو کالج، عبیر کو اسکول وہی چھوڑتا تھا جس کے بعد وہ اور ژالے یونیورسٹی جاتے تھے۔

''وہ تو پتا نہیں بس کچھ کھائے پیے بغیر ہی بھاگم بھاگ نکل گئی ہے۔'' چچی نے نا سمجھنے والے انداز میں جواب دیا اور خالی برتن سمیٹنے لگیں۔ابھی انہیں گھر کے باقی لوگوں کے لیے بھی ناشتہ تیار کرنا تھا۔

''چلو تم لوگ گاڑی میں بیٹھو میں بس آرہا ہوں۔'' ارحم کا ذہن الجھا ہوا تھا۔وہ اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر تھا کہ ژالے اتنی جلدی کیوں اور کس سہیلی کے ساتھ یونیورسٹی گئی ہے۔اسی الجھن میں ناشتہ کرتے ہوئے اس نے پاس رکھی چابی شاہان کی طرف اچھالی جسے کیچ کرکے اس نے عبیر کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ دونوں اپنے بیگ تھامے پورچ کی طرف چلے گئے۔

ارحم نے ناشتے کی پلیٹ ہاتھ سے پرے کی اور لب بھینچتا میز سے اپنی فائل اٹھا کر ان دونوں کے پیچھے ہی چل دیا۔اس کی بھوک ایک دم غائب ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

یاور علی خان صاحب نے دونوں بیٹوں کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ دونوں کے درمیان محبت اور خلوص شامل تھے۔یہی وجہ تھی کہ برسوں سے نہ صرف کاروبار مشترکہ تھا بلکہ گھر میں بھی دونوں خاندان نہایت اتفاق سے رہتے تھے۔ایک دوسرے پہ انحصار کرتے تھے اور ایک

دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔گھر میں قائم امن اور سکون کی فضا کی پورے خاندان میں مثال دی جاتی تھی۔البتہ ارحم اور ژالے اس پیمانے پہ پورے اترنے سے بری طرح قاصر تھے۔وہ دونوں ہم عمر ہی نہیں ہم مزاج بھی تھے یعنی ضد اور غصہ دونوں میں برابر کا تھا اس پہ ستم شروع سے ایک ہی اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی میں پڑھتے آرہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں میں کبھی نہیں بنی تھی۔ارحم پڑھائی میں ژالے سے بہتر تھا۔بچپن سے اسے ژالے کے مقابلے میں زیادہ سراہا جاتا اور یہیں سے مقابلے کی ایک فضا بن گئی جو اگر مثبت انداز میں لی جاتی تو اس کا فائدہ ہوتا لیکن ارحم کی تعریفیں سن سن کر ژالے کو ارحم سے خوامخواہ کی چڑ ہوگئی تھی جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ دونوں جب بھی ایک ساتھ موجود ہوتے ان کے درمیان جھگڑا نہ ہونا غیر معمولی لگتا۔گھر میں سب لوگ ان دونوں کی روز روز کی نوک جھونک کے اس قدر عادی ہوچکے تھے کہ اب کوئی سرے سے پروا ہی نہیں کرتا تھا۔بلکہ جس دن ان میں جنگ وجدل نہ سب کو پریشانی لاحق

ہو جاتی۔ان سب باتوں کے باوجود عبدالرحمان اور عبدالرحیم کے خاندان کے درمیان سے سوئی گزارنا بھی ناممکن تھا۔ان دونوں کے برعکس شاہان اور عبیر میں عمر کا فرق تھا لیکن دوستی بہت تھی۔عبیر سب سے چھوٹی تھی لہٰذا اب بھی گھر کا مشترکہ بچہ تصور کی جاتی تھی جس کا نہ صرف بڑے بلکہ وہ تینوں بھی مشترکہ خیال رکھتے تھے۔یاور علی خان کی ہر بات ان سب کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔گھر کا ہر فرد ان کے اصول اور روایات کا احترام کرتا تھا تو اس کی وجہ ان کی سب سے محبت اور ہر ایک کو دی گئی عزت تھی۔

☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی پہنچ کر ژالے نے سب سے پہلے وہ کام کیا جس کے لیے وہ آج اتنی صبح خوار ہونے یونیورسٹی آئی تھی یعنی اسائنمنٹ جمع کروانا اور اب پرسکون سے انداز میں دوستوں کے درمیان کھڑی اپنا آج کا کارنامہ ان سب کے گوش گزار رہی تھی۔ارحم کی اسائنمنٹ فائل پہ اپنے نام کا

لیبل لگا کر اس نے صبح آتے ہی پروفیسر وجیہہ کو دے دی تھی اور ان سے اپنی ذمہ داری اور قابلیت پہ ڈھیروں داد بھی وصول کرچکی تھی۔

''اب تک تو اسے پتا چل چکا ہو گا ناں؟'' سیما نے سوال کیا۔ صبح ژالے اسی کے ساتھ یونیورسٹی آئی تھی۔

''پتا چل جاتا تو اس کی کال آجاتی۔ ابھی تک رابطہ نہ کرنے کا مطلب ہے اس نے اپنی فائل چیک نہیں کی۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ ارحم سے بخوبی واقف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ارحم کبھی اپنے لکھے کو دوبارہ چیک نہیں کرتا کیونکہ وہ اسے مکمل کرنے میں اتنا وقت اور توانائی لگا دیتا ہے، اسے کامل بنانے میں اتنی تحقیق کرتا ہے کہ تکمیل کے بعد کسی غلطی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہ کبھی اسائنمنٹ والا صفحہ پلٹ کر نہیں دیکھے گا بلکہ جوں کی توں فائل پروفیسر وجیہہ کو دے دے گا۔

''یار' ویسے تم نے اس بے چارے کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' ماہ نور کو بہرحال اس کی حرکت اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ اس کا بھی ہم

جماعت تھا اور اکثر پڑھائی کے سلسلے میں اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔ژالے کی دوست ہونے کے باوجود ماہ نور کی ہمدردیاں ارحم کے ساتھ تھیں اور وہ اس کا اظہار کیے بغیر رہ نہیں پائی۔

''ادلے کا بدلہ مائی ڈئیر... اس نے جو میرے ساتھ کیا میں نے وہی اس کے ساتھ کردیا۔اس کی وجہ سے میرا کتنا ٹائم ضائع ہوا۔'' اپنی مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے اس نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''پھر بھی ژالے... تمہارے پاس کافی وقت تھا اسائمنٹ مکمل کرنے کے لیے۔تم چاہتیں تو تسلی سے اپنا کام مکمل کرسکتی تھیں۔'' پچھلے ہفتے وہ یونیورسٹی اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں آسکی تھی اور اسی دوران پروفیسر وجیہہ نے ان کے فائنل سمیسٹر کا اسائنمنٹ جمع کرانے کا اعلان کردیا تھا۔ژالے چونکہ ارحم کے ہی نوٹس سے کام چلا رہی تھی تو اس دوران اسے کسی ہم جماعت سے رابطے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ارحم نے اسے موضوع ہی غلط بتایا اور ژالے اسی موضوع پہ گھر بیٹھی کام

کرتی رہی۔وہ تو فقط دو دن پہلے یونیورسٹی آنے کے بعد اسے حقیقت کا علم ہوا۔

''لیکن پھر ارحم سے بدلہ کیسے لیتی۔'' ایک تو غصہ، دوسرے بیماری میں بیٹھ کر کی گئی محنت کے ضائع ہونے کا افسوس، شکایت کرتی بھی تو کس سے، بس یہی سوچا کہ اب تو ارحم کی ہی فائل چرا کر اپنے نام سے جمع کروائے گی۔

''بٹ یو ڈونٹ وری... ارحم کو بلینک پیپر تھوڑی جمع کروانے دوں گی۔میں نے اسائنمنٹ مکمل کیا ہے لیکن انٹرنیٹ سے کاپی کرکے۔'' شرارت سے ماہ نور کو دیکھتے ہوئے اس نے بائیں آنکھ دبائی۔

''کتنی بری بات ہے ژالے یار' ایسے تو اسے زیرو ملے گا۔اس پہ کاپی کا چارج الگ لگے گا۔'' اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''بڑی فکر ہورہی ہے ارحم کی ماہ نور... ویسے ارحم کو بھی تمہاری کافی فکر رہتی ہے۔'' اس نے شوخ انداز میں کہہ کر ماہ نور کے سرخ گالوں کو دیکھا جو اکثر ارحم کے ذکر پہ یوں ہی سرخ ہو جایا کرتے تھے۔

''کیا... کیا مطلب؟'' وہ جیسے جھینپ سی گئی۔

''کچھ نہیں۔'' سیما کو آنکھ سے اشارہ کرتی وہ اس کے ساتھ دھیمے سروں میں گنگناتی کلاس کی طرف چل دی۔ پیچھے ماہ نور اب تک الجھی ہوئی کھڑی تھی۔ بہرحال وہ ژالے کی دوست تھی اور ارحم سے ہمدردی ہونے کے باوجو اسے سچ بتا کر ان دونوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ نہیں بن سکتی تھی۔اسی لیے کندھے اچکاتے ان دونوں کو ان کے حال پہ چھوڑ کر وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

''میں اندر آجاؤں؟'' اس کے کمرے کے دروازے پہ ہلکی سی دستک دے کر وہ بے تکلفی سے اندر داخل ہوئی اور دوستانہ انداز میں سوال کیا۔ارحم اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا اپنی ڈائری لکھنے میں مصروف تھا۔

''تم اندر آچکی ہو۔'' اسے اندر دیکھ کر جتاتے انداز میں جواب دے کر جھٹ پٹ ڈائری بند کرکے اسٹڈی ٹیبل کی دراز میں رکھ کر اسے مقفل کیا اور چابی جیب میں رکھ لی۔

’’اب بس بھی کرو ارحم... اب تو مجھے پتا چل چکا ہے۔اب تو مجھ سے چھپانا بند کرو۔‘‘ ژالے مسکراتی ہوئی اس کے پاس چلی آئی۔

ہم جماعت ہونے کے باوجود ان کی یونیورسٹی میں بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ژالے کا اپنا گروپ تھا اور ارحم کے اپنے دوست، گھر واپسی کے وقت بھی ان کے درمیان آج کوئی بات نہیں ہوئی تھی لیکن ژالے کے اندر کھدبد مچی ہوئی تھی کہ کہیں اس کی چوری پکڑی نہ جائے اور اسی بات کی تصدیق اور ٹوہ لینے وہ ارحم کے کمرے میں آئی تھی۔ویسے تو وہ ارحم کے کمرے کے اکثر ہی چکر لگاتی رہتی تھی لیکن صرف اس وقت جب وہ وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔

ارحم بخوبی جانتا تھا کہ ژالے گاہے بگاہے اس کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے اسی لیے وہ چیزیں جنہیں ژالے سے چھپانا مقصود ہوتا انہیں ہمیشہ تالے میں ہی رکھتا جیسے اس کی ڈائری جسے وہ باقاعدگی سے لکھنے کا عادی تھا اور جس کی ٹوہ میں ژالے اکثر رہتی تھی لیکن ارحم کی احتیاط کے سبب آج تک وہ اس کے ہاتھ نہ لگ سکی تھی۔

''کوئی کام تھا کیا؟'' ارحم نے اس کے ذو معنی جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

''آج ماہ نور تمہارا کافی فیور کر رہی تھی۔میں نے یونہی شرارت میں تمہارا نام کیا لے لیا وہ تو ہاتھی گھوڑے لے کے چڑھ دوڑی مجھ پہ۔ تمہارا جادو سر چڑھ کے بول رہا ہے ان دنوں۔ویسے قصور اس کا بھی نہیں اب تم ہو ہی اتنے ہینڈسم اور اسمارٹ... ایک ماہ نور کیا یونیورسٹی کی کئی لڑکیاں تم پہ دل و جان سے فدا ہیں۔'' ماہ نور، ژالے کی اچھی دوست تھی اور کچھ عرصے سے مستقل ارحم سے پڑھائی میں مدد لے رہی تھی۔

ارحم بھی بالخصوص وقت نکال کر اس کی مدد کرتا تھا۔یہ ماہ نور کا رویہ تھا کہ جب سے اس کی ارحم سے بے تکلفی بڑھی تھی وہ ژالے کے سامنے کھل کر اس کی حمایت میں بولنے لگی تھی تو دوسری طرف ارحم کا اسے اتنی اہمیت دینا ژالے کو یقین دلا چکا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ وہ ارحم کو اکثر ماہ نور کا نام لے

کر چھیڑتی جس پہ ارحم کبھی مسکرا کر تو کبھی خاموش رہ کر اس کے شک کو یقین میں بدل رہا تھا۔

''آج دیکھا ہی نہیں سورج نکلا کس طرف سے تھا۔تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ژالے؟ تم اور میری تعریف میں اتنا وقت ضائع کرو بات کچھ ہضم نہیں ہوئی۔'' کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے آرام دہ انداز میں بیٹھ کر اس نے ژالے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ماہ نور کے تذکرے کو قصداً نظر انداز کر دیا تھا۔

''تم ایسا کرنا' رات کے کھانے کے بعد بڑے ابا سے چورن لے کر کھا لینا۔ہاضمے کا بہترین حل ہے وہ۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔

''بک بک ختم کرو اور بتاؤ یہاں کس لیے آئی ہو؟'' ارحم اس سسپنس سے بے زاری محسوس کنے لگا تھا۔

''وہ میں... وہ... تم سے یہ پوچھنا تھا تم نے اسائنمنٹ جمع کرادیا اپنا؟'' بالآخر اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں کروا دیا تھا۔'' جواب فی الفور دیا۔

’’گڈ...‘‘ تسلی پاتے ہی وہ مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف پلٹی۔

’’سنو تم صبح کس فرینڈ کے ساتھ یونیورسٹی گئی تھیں۔‘‘ ارحم نے بے ساختہ سوال کیا۔

’’سیما کے ساتھ... ہمیں صبح فرسٹ ٹائم میں اسائنمنٹ جمع کرانا تھا۔‘‘ ژالے نے واپس مڑ کر ارحم کو دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔اسے حیرت تھی یہ سوال ارحم نے پہلے کیوں نہیں کیا۔اس کے یا عبیر کے کسی دوست کے ساتھ جانے پہ سب سے زیادہ معترض ارحم ہی ہوا کرتا تھا۔

’’وہ تو مجھے بھی کرانا تھا تو کیا ضرورت تھی سیما کو زحمت دینے کی۔ہر روز میرے ساتھ جاتی ہو آج کیا مسئلہ تھا۔دس منٹ رک جاتی تو کون سی قیامت آجاتی۔‘‘ اس کے لہجے میں واضح ناپسندیدگی تھی۔

’’اف اب کیا میں اپنی دوست کے ساتھ یونیورسٹی بھی نہیں جاسکتی۔روز تمہارے ساتھ جاتی ہوں آج اس کے ساتھ چلی گئی تو کون

سی قیامت آگئی اور ویسے بھی تم چوکیدار نہیں ہو میرے۔" اس نے تیز لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

''یہ تم بڑے ابا سے کہنا۔انھوں نے ہی میری ڈیوٹی لگائی ہے تم سب لوگوں کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کی۔وہ خود ہی لیں گے تمہاری کلاس۔" پرسکون اور مطمئن انداز میں کہتا ہوا وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔بڑے ابا کی دھمکی بہرحال جان گسل ثابت ہوئی تھی۔

''تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔بڑے ابا کا چمچہ۔" پیر پٹختے' منہ بسورتے وہ کمرے سے نکل گئی تو ارحم نے اپنی مسکراہٹ بحال کی اس کا بڑے ابا کو شکایت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر کے کھانے میں بس بچے اور خواتین ہی شامل ہوتی تھیں لہٰذا اکثر دال، سبزی پکتی البتہ رات میں بھرپور اہتمام ہوتا جب گھر کے مرد بھی دسترخوان پہ موجود ہوتے۔آج بھی صفیہ بیگم نے بڑے اہتمام سے

ٹینڈے پکائے تھے ساتھ میں دیسی گندم کی گرما گرم روٹیاں اور رائتہ سلاد۔

''ٹینڈے؟'' سالن کے باؤل میں سبزی دیکھ کر سب سے پہلے ژالے نے شور مچایا۔

''ہاں ارحم کی فرمائش پہ پکائے ہیں۔اسے بہت پسند ہیں ناں میرے ہاتھ کی پکی سبزی۔'' صفیہ بیگم نے محبت سے بیٹے کی طرف دیکھتے اس کے چہرے کی ناگواریت کو درگزر کیا۔یہ ان کا پرانا حربہ تھا جب بھی کوئی ایسی ڈش پکاتیں جس پہ کوئی معترض ہوتا جھٹ ارحم کا نام لے دیتیں۔وہ بھی خاموشی سے سر جھکا دیتا کبھی یہ نہیں کہا اماں جانی میں ہی ملا تھا بکرا بنانے کو۔

''دال یا پھر ٹینڈے۔'' وہ زیرلب بڑبڑائی اور دل ہی دل میں ارحم کو ہزار کوسنے دیے۔اسے یقین تھا وہ یہ ساری حرکتیں گھر والوں کی نگاہوں میں معتبر بننے کے لیے کرتا ہے ورنہ ٹینڈے کون پسند کرتا ہے بھلا۔

''تائی امی کچھ اور بھی پکا لیتیں اس کے ساتھ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے ہم میں سے کوئی نہیں کھاتا یہ ٹینڈے۔'' اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا اس پہ بھوک بھی زوروں کی لگ رہی تھی۔ آج تو ویسے بھی ٹینشن میں صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں اب کیا معلوم تھا کہ لنچ میں سامنا ٹینڈوں سے ہو جائے گا۔

''اپنی بات کرو ہم تو سب کچھ کھا لیتے ہیں۔'' شاہان نے باؤل سے سبزی نکالتے جواب دیا مبادا ژالے کے چکر میں اسے بھی ماں کی ڈانٹ سننی نا پڑ جائے۔

''ہاں مجھے نہیں پسند اور میں ہرگز یہ ٹینڈے نہیں کھانے والی۔ ان کا تو نام ہی اتنا عجیب سا ہے پتا نہیں ذائقہ کیسا ہو گا۔'' وہ جارحانہ انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تائی امی نے منہ بناتے دیورانی کو دیکھا۔

''آسمان سے من و سلویٰ اترے گا بیگم صاحبہ کے لیے۔ چھوڑیں بھابی اس کا تو روز کا ڈرامہ ہے آپ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔'' عطیہ بیگم نے

جیٹھانی کی تسلی کراتے بیٹی کو طنزیہ انداز میں کہا اور اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''یہاں کسی کو میری بالکل پروا نہیں ہے۔اس سے تو اچھا تھا یونیورسٹی میں ہی کچھ کھا لیتی۔بھوکے گھر آؤ اور ٹینڈے کھاؤ۔'' وہاں سب کو ہی مزے سے کھانا کھاتے دیکھ کر اسے مزید کوفت نے آگھیرا تھا۔

''پیزا آرڈر کررہی ہوں میں تم دونوں نے کھانا ہے تو بتادو۔'' شاہان اور عبیر نے حیرت سے سر اٹھا کر ژالے کو دیکھا لیکن سامنے بیٹھی خواتین کے ڈر سے کوئی جواب نہیں دیا البتہ ارحم سر جھکائے مستقل مزاجی سے کھانے میں مگن تھا جیسے وہاں موجود ہی نہیں اور اس گفتگو سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ژالے نے کارڈلیس اٹھایا اور نمبر ملانے ہی والی تھی کہ اچانک مین ڈور کی بیل بجی۔

''یہ کھانے کے وقت کون آگیا؟'' عطیہ بیگم نے حیرت کا اظہار کیا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' ارحم سنجیدگی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔چند منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں ایک بڑے سائز کا پیزا کا ڈبہ پکڑا ہوا تھا۔ژالے سمیت سب نے ہی حیرانی سے اسے دیکھا۔

''مجھے معلوم تھا آج لنچ پہ کیا جنگ و جدل ہونے والی ہے اس لیے پہلے ہی پیزا آرڈر کر دیا تھا۔عبیر اور شایان تم لوگ بھی انجوائے کرو۔'' پیزا باکس میز پہ رکھتے اس نے دوستانہ انداز میں کہا اور خود واپس اپنی جگہ پر بیٹھ کر اسی رغبت سے ٹینڈے کھانے لگا۔

''تھینک یو سو مچ ارحم بھائی... آپ نے تو مزے کرا دیے۔'' عبیر اور شاہان نے ایک ساتھ نعرہ لگایا۔انہیں اندازہ نہیں تھا ان کی جان اتنی آسانی سے چھوٹ جائے گی۔البتہ ژالے خاموش رہی تھی۔

''تمہیں تھینک یو کہنے سے الرجی ہے کیا۔'' ارحم نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں چوٹ کی۔

''تھینک یو کہتی ہے میری جوتی۔'' وہ جو جھجکتے ہوئے کرسی کھینچ کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ رہی تھی ایک دم چہک کر بولی اور باکس میں سے

دو بڑے سلائس اپنی پلیٹ میں رکھ کر مزے سے کھانے میں مشغول ہوگئی۔اب کوئی صبح سے فاقے زدہ ہو تو اتنا حق تو بنتا ہے اس کا۔

☆☆☆☆☆☆

گھر میں اگلے چند دن انتہائی سکون سے گزرے یہاں تک کہ ارحم نے جب ژالے کے بیگ میں مینڈک رکھا، اس نے رونا پیٹنا تو بہت مچایا لیکن کوئی جوابی کارروائی کی نہ ہی اسے برا بھلا کہا اور تو اور بات گھر میں بھی کسی کو نہیں بتائی اور معاملہ یونیورسٹی میں ہی ختم ہوگیا۔ارحم کو حیرت تو بہت ہوئی کیونکہ ژالے اتنی آسانی سے کسی بات کو ختم کرنے والوں میں سے تو نہیں تھی اور ابھی تو اس کا اسائنمنٹ پہ غلط بیانی والا معاملہ بھی باقی تھا لیکن وہ بیچارہ کہاں جانتا تھا ژالے وہ قصہ کب کا ختم کرچکی ہے اور اب جو خاموشی ہے تو بس بھید کھلنے کی مصلحت کے سوا کچھ نہیں اور بھید تو آج کھل ہی جانا تھا کیونکہ پروفیسر وجیہہ نے آج کلاس میں مارکس اناؤنس کرنے تھے اور اس کے لیے وہ ذہنی طور پہ پہلے ہی تیار تھی لیکن ارحم کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے

ساتھ کیا ہونے والا ہے اسی لیے جب پروفیسر وجیہہ نے آج اسے کلاس سے پہلے اپنے آفس میں آنے کو کہا تو وہ بخوشی بلکہ احساسِ تفاخر سے ان کے پاس پہنچا۔وہ ان کا لائق طالب علم تھا اور اسے یقین تھا وہ اسے انٹرن شپ وغیرہ میں مدد کے لیے یا پھر کسی اہم مشورے کے لیے اپنے آفس میں بلا رہے ہیں لیکن وہاں پہنچتے ہی جو بم اس کے سر پہ پھوڑا گیا تھا اس کی گونج اتنی تباہ کن تھی کہ وہ سن بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔

''لیکن سر...'' مارکس شیٹ پہ اپنے نام کے ساتھ بڑا سا زیرو دیکھ کر اس کا دل اتنا نہیں دہلا تھا جتنا اس کے ساتھ لکھے ریڈ پین سے جلی حرفوں میں کاپی پڑھ کر وہ گھائل ہوا تھا۔

''کم سے کم مجھے تم سے اس لاپروائی کی امید نہیں تھی ارحم۔ تمہیں اسائنمنٹ میں مسئلہ تھا تو مجھ سے ڈسکس کرلیتے۔کاپی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔اس پورے سمیٹر میں جو شخص اس کی تعریفیں کرتا نہیں تھکا تھا آج اس کی سرزنش پہ شرمندگی نہایت چھوٹا لفظ تھا۔

’’لیکن سر... میں نے اسائنمنٹ کاپی نہیں کیا ہے۔فل ریفرینس اور ریسرچ کے ساتھ مکمل کیا تھا میں نے اسائنمنٹ۔‘‘ وہ ہونقوں کی طرح ان کی طرف دیکھتے اپنی صفائی دینے کی کوشش کررہا تھا۔

’’ریسرچ... ریفرینس؟‘‘ انہوں نے طنزیہ انداز میں ارحم کی طرف دیکھتے سوال کیا۔

’’ارحم تم میرے انتہائی لائق اور محنتی اسٹوڈنٹ ہو اس لیے میں نے تمہارا رزلٹ کلاس میں اناؤنس نہیں کیا بلکہ تمہیں یہاں بلا کر تم سے ڈسکس کررہا ہوں تاکہ کلاس کے سامنے تمہاری انسلٹ نہ ہو لیکن سیریسلی تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔‘‘ ان کے لہجے میں واضح تاسف تھا۔

’’سر... میں قسم کھا کر کہتا ہوں میرا اسائنمنٹ کاپی نہیں ہے۔‘‘ بہرحال وہ سچا تھا اس لیے دو ٹوک اس الزام کو قبول کرنے سے انکار کررہا تھا مگر ان کے پاس بھی تو ثبوت موجود تھے۔اپنے ٹیبل پہ رکھے پیپرز ارحم کی طرف بڑھاتے انہوں نے چیلنج کے انداز میں اسے دیکھا۔

''اچھا تو پھر یہ کیا ہے؟'' ارحم نے ہاتھ بڑھا کر وہ کاغذات تھامے۔ان میں سے ایک اس کی فائل تھی جسے وہ اپنے ٹائٹل کور سے ہی پہچان گیا تھا اور دوسرے کسی ویب آرٹیکل کا پرنٹ۔

''یہ تمہاری جمع کروائی ڈیٹیل اور اس کے ساتھ یہ دیکھو اس ٹاپک پہ ان ہی الفاظ کے ساتھ اس ویب سائیٹ پہ موجود یہ آرٹیکل۔'' وہ سر جھکائے اپنی اسائمنٹ پڑھتا رہا جس پہ متعدد پوائینٹس کو ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔

''کیا اب بھی کہو گے کہ تم نے اسائمنٹ کاپی نہیں کیا؟'' اس نے بے یقینی سے پروفیسر وجیہہ کو دیکھا جو اسے چیلنج کے سے انداز میں دیکھ رہے تھے۔

''لیکن سر' یہ میری فائل نہیں ہے۔'' اس بات کی تو اسے پہلی لائن سے ہی تصدیق ہوگئی تھی کہ یہ اس کی تحریر نہیں ہے اور یہی بات اس نے پروفیسر وجیہہ کے سامنے بھی دہرائی۔

''ارحم... فار گاڈ سیک... اب فائل کیسے بدل گئی؟ یہ دیکھو اس ٹائٹل پیج پہ تمہارا نام لکھا ہے۔یہ وہی کاغذ ہیں جو تین دن پہلے تم نے مجھے دیے تھے۔'' انہیں اس کا غلط ہونا اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا اپنی بات کو غلط ٹھہرایا جانا۔

''سر... میں مانتا ہوں ٹائٹل کور میرا ہے اسے میں نے ہی ڈیزائن کیا تھا لیکن اس سے آگے کے صفحات میرے نہیں ہیں۔میرا کام تو...'' اس نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھتے وہ بری طرح الجھا اور پھر اس کو سرا مل ہی گیا تھا۔

''سر... یہ دیکھیں یہ سوراخ پہلے کور پہ اسٹیپلر کے دو مختلف نشان ہیں دیکھیں سر۔'' پہلے صفحے پہ اسٹیپل کی ہوئی پن کے ساتھ دو الگ نشان نمایاں تھے۔

''تو تمہارا کہنے کا مطلب ہے تمہارے پیجز میں نے بدلے ہیں؟'' یہ ثبوت ارحم کے لیے کافی ہوسکتا تھا پروفیسر وجیہہ کے لیے ناکافی تھا۔

فائل کسی اور نے کھولی یا خود ارحم نے، یہ ارحم کا مسئلہ تھا نہ کہ ان کا بلکہ انہیں تو اب یہ ساری گفتگو وقت کا ضیاع محسوس ہو رہی تھی۔

''نہیں سر' میں آپ کو نہیں کہہ رہا میں تو... وہ...'' وہ پہلے ہی خفا تھے ارحم انہیں مزید خفا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''ارحم اٹس انف ناؤ۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کو کہا۔

''سوری سر۔'' معذرت کے سوا دوسرا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

''تم اب جا سکتے ہو اور آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔ یہ لاسٹ سمیسٹر ہے اور تمہارے لیے بے حد اہم اس لیے کوشش کرو اپنی سنجیدگی برقرار رکھو ورنہ اس کا نقصان تمہیں ہی ہو گا۔'' انہوں نے واضح الفاظ میں اسے تنبیہی کی' کچھ بھی تھا وہ ارحم سے ایسی غیر ذمہ داری کی امید نہیں رکھتے تھے۔

''جی سر۔'' سر جھکائے، لب بھینچے وہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا کہ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا اور وہ ایک دم واپس پلٹا۔

''سر' کیا میں ژالے کا اسائنمنٹ دیکھ سکتا ہوں؟'' اس نے التجائیہ انداز میں پوچھا۔

''اگر ژالے اس کی اجازت دے تو۔'' پروفیسر وجیہہ ان دونوں کو ہی اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی وہ کزن ہیں لیکن اس سب کے باوجود کسی دوسرے طلبہ کی اسائنمنٹ فائل دکھانا درست فعل نہیں تھا اسی لیے انہوں نے صاف منع کر دیا۔

''سر... اس کے مارکس کتنے ہیں؟'' اس نے اگلا سوال پوچھا۔

''انیس۔'' جواب فی الفور آیا اور ارحم کے پاس اب کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ اس کی فائل کس نے اور کیسے بدلی۔ اسے ژالے کی صلاحیتوں پہ پورا بھروسہ تھا۔

''نہایت شان دار ورکنگ تھی اس کی۔بہت محنت سے کیا ہوا کام تھا۔'' پروفیسر وجیہہ کے ژالے کے لیے تعریفوں کے انبار اس کے کانوں میں پگھلے سیسے کی طرح اتر رہے تھے۔وہ مزید وہاں رک کر خود کو اذیت نہیں دے سکتا تھا اس لیے بناء کچھ کہے ان کے آفس سے نکل

آیا وہ سمجھ چکا تھا کہ ژالے نے ارحم کی فائل اپنے نام سے جمع کروا دی ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو یہ ان کے گھر کا معاملہ تھا پروفیسر وجیہہ کا نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

بہرحال گھر کا معاملہ گھر میں ہی اٹھایا گیا تھا۔آج بہت دن بعد گھر میں ایک بار پھر ان دونوں کی وجہ سے عدالت لگی تھی اور بطور جج بڑے ابا دونوں کے بیانات سن رہے تھے۔گھر کے باقی سب افراد بحالتِ مجبوری وہاں موجود تھے ورنہ ان کی لڑائیوں میں کسی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ صفیہ بیگم، عطیہ بیگم اور عبیر کے لیے تو یہ ساری کارروائی نہایت بوریت کا باعث تھی کیونکہ ان کا ڈرامہ نکل رہا تھا۔بے چاریوں نے پورا ایک ہفتہ سسپنس میں گزارا تھا اور آج جب سسپنس کھلنے کا وقت آیا تو گھر میں ہی ایک کیس کھل گیا تھا۔وہ نہایت بے دلی سے وہاں بیٹھی تھیں اور باقی تینوں مرد حضرات بھی کوئی خاص توجہ نہیں

دے رہے تھے۔یہ تو بس بڑے ابا کی وجہ سے مجبوری تھی کہ اس وقت سب وہاں موجود خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''بڑے ابا... میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں میری فائل اسی نے بدلی ہے۔'' ارحم نے اپنا الزام سب کے سامنے دہرایا۔

''ارے واہ... جیسے بڑے ابا تو بس تمہارے ہی دعویٰ پہ یقین کرنے والے ہیں۔کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ میں نے تمہاری فائل بدلی تھی؟'' ژالے نے ہاتھ نچاتے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''تمہارے مارکس پچھلے دو سال میں کبھی اتنے اچھے نہیں آئے جتنے اس بار ہیں۔'' ارحم کا لہجہ پریقین تھا۔

''مسٹر ارحم... تو اس کا یہ مطلب کیسے ہوا کہ میں نے تمہاری فائل اڑا لی بلکہ یہاں تو یہ ثابت ہوا کہ میں پہلے سے زیادہ محنت کررہی ہوں اور اپنی اسٹڈی کو زیادہ سیریس لے رہی ہوں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔بڑے ابا خاموشی سے ان دونوں کو ایک دوسرے پہ الزامات لگاتا دیکھ رہے تھے۔

’’تم... تم... تم نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔‘‘ اب یہ مجبوری تھی کہ اندر کی بات کھلنے والی تھی لیکن سچ بتائے بناء چارہ بھی نہیں تھا۔

’’بدلہ...! کون سا بدلہ ‘کس بات کا بدلہ؟‘‘ دراصل یہی تو وقت تھا ارحم کو بے نقاب کرنے کا سب کے سامنے اس لیے ژالے نے یوں حیرت کا اظہار کیا جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔’’وہ...‘‘ وہ کہتے کہتے رکا کہ اپنی پول خود کیسے کھولے۔

’’بولو ارحم۔‘‘ بڑے ابا خاصے سنجیدہ نظر آرہے تھے۔

’’بڑے ابا... وہ میں نے اسے ٹاپک غلط بتایا تھا۔‘‘ وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں بولا۔

’’جی بڑے ابا... پچھلے مہینے جب میں انفیکشن کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں جارہی تھی اس وقت اسائنمنٹ کا نوٹس لگا تھا اور ان موصوف نے مجھ سے جھوٹ بولا۔میں نے اس کی بات پہ یقین کرتے ہوئے کسی ہم جماعت سے تصدیق کیے بغیر پورا اسائنمنٹ تیار کرلیا اور صرف تین دن پہلے مجھے پتا چلا کہ ارحم کا بتایا گیا موضوع غلط تھا اور اب میرے اتنے

اچھے نمبر دیکھ کر مجھ پہ الزام تراشی کررہا ہے۔" ژالے نے ایک ہی پل میں ساری بھڑاس نکال دی۔وہ جو اتنے دن اس نے نہایت خاموشی سے گزارے تھے جبکہ ارحم کو لگتا تھا وہ رونا دھونا مچا کر اس سے مدد کی درخواست کرے گی کہ اب وہ اسے اسائنمنٹ میں ہیلپ کرے لیکن ایسا کچھ نہ کرکے اس نے الٹا اسے ہی پھنسا دیا تھا۔پروفیسر وجیہہ کے سامنے جو شرمندگی ہوئی وہ الگ اور اب سب گھر والوں کی باتیں اس کے علاوہ تھیں۔

''بھئی یہ تو کوئی اچھی حرکت نہیں کی تم نے۔اس کے گریڈز پہ اثر پڑ سکتا تھا۔" انہوں نے ارحم کی طرف دیکھتے شکوہ آمیز لہجے میں کہا۔

''لیکن میرے گریڈ پر تو اثر پڑ گیا بڑے ابا... اس نے نیٹ سے کاپی کرکے اسائنمنٹ میری فائل کے اندر لگا دیا اور میں نے وہی کاغذ اپنے پروفیسر کو دے دیے۔" وہ جل کر بولا۔

''اس کا مطلب جیسے کو تیسا مل گیا۔بھئی اب اس معاملے میں ہم کیا کہیں تم دونوں نے خود ہی سوال جواب کرلیے۔" بڑے ابا دونوں

طرف کے بیانات سن کر کیس خارج کرتے چہل قدمی کے لیے نکل گئے تھے۔

''ایک تو میں ان دونوں کے اس مذاق سے سخت عاجز ہوں۔ بچپن سے ان کا یہی رونا ہے۔ ارحم نے یہ کردیا ژالے نے وہ کردیا۔'' صفیہ بیگم نے بے بسی سے کہتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھا۔ ارحم پیر پٹختا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔ ایک سیر ہے تو دوسرا سوا سیر اور ان دونوں کو ہی سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ اس لڑکی کے چکر میں آدھا ڈراما نکل گیا۔ عبیر... اب ذرا یوٹیوب پہ لگا دینا۔'' عطیہ نے پاس بیٹھی جٹھانی کو تسلی دی اور ساتھ ہی ڈراما نکل جانے کا الزام بیٹی پہ دھر دیا۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ نے مجھے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا ہے۔ کبھی جو اس کے سامنے میری سائیڈ لی ہو۔'' ژالے جو اس سارے

معاملے میں خود کو بے قصور سمجھ رہی تھی۔ماں کی بات پہ جل کر رہ گئی۔

' 'چلو تمہیں آج پتا چل ہی گیا۔ہم تو سالوں سے چھپائے بیٹھے تھے۔'' وہ بھی اسی کی ماں تھیں۔برجستہ کہتے ہوئے ہنسیں اور ان کی تقلید میں وہاں موجود سب ہی لوگ قہقہے لگانے لگے۔ژالے کی برداشت جواب دے گئی اور وہ منہ بنائے ارحم کے پیچھے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

ارحم کا دماغ گھوم رہا تھا۔ژالے نامحسوس انداز میں اس کے ساتھ اتنا کچھ کر گئی تھی اور وہ کچھ بھی تو نہیں کر پایا۔پروفیسر وجیہہ کے سامنے لاکھ تاویلیں دیں مگر انہوں نے بھی اس کا یقین نہیں کیا' الٹا وہ اس سے خفا دکھائی دے رہے تھے۔ایسے میں ژالے کو بھرپور جواب دینا اب جیسے فرض بن چکا تھا۔دوسری طرف ژالے آسمانوں میں اڑ رہی تھی کہ ایک ہی وار سے ارحم کی سابقہ ہر شرارت کا جواب دے چکی ہے لیکن ساتھ

ہی ساتھ ان دنوں ضرورت سے زیادہ محتاط بھی تھی کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ارحم بدلہ لیے بغیر سکون سے نہیں بیٹھنے والا۔

یہاں تو وہ دونوں ایک دوسرے سے نبٹنے کی فکر میں تھے کہ اچانک ایک نئی افتاد آن پڑی تھی جس نے دونوں کو ہی اپنی پریشانی بھلا کر اس نئی الجھن میں الجھایا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ مٹر پلاؤ کے لیے مٹر چھیلتی صفیہ بیگم نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اپنی دیورانی عطیہ بیگم کے آگے اپنی اولاد کی نالائقی کا اظہار کیا۔خود دیورانی صاحبہ بھی اسی غم میں مبتلا تھیں۔جھٹ جٹھانی کے دکھ میں برابر کی شریک ہوگئیں۔عطیہ بیگم کو فکر تھی کہ ایسے احمق بچوں کا مستقبل کیا ہوگا جو ہر وقت گھر اور گھر سے باہر جنگ وجدل میں مصروف رہتے ہیں۔عطیہ بیٹی کی لاابالی طبیعت سے پریشان تھیں تو صفیہ کے لیے بیٹے کی خوامخواہ سینگ پھنسانے کی عادت دردِ سر بنی ہوئی تھی۔ اسی طرح دل کا حال ایک دوسرے سے کہتے ہوئے پتا ہی نہیں چلا اور مٹر چھل گئے مگر مجال ہے جو دونوں کے دماغ میں کوئی حل آیا ہو۔بس

یہی طے کیا کہ پڑھائی مکمل ہوتے ہی دونوں کی جلد ہی شادی کر دی جائے تاکہ کچھ تو مزاجوں میں سنجیدگی پیدا ہو اور ذہن دوسری طرف لگے لیکن شادی کے لیے بھی رشتوں کی ضرورت ہوتی ہے جو فی الوقت تو موجود نہ تھے۔

اتفاق سے اسی وقت صفیہ بیگم کے بڑے بھائی کمال کی کال نے کمال کر دیا۔کمال امریکہ میں مقیم تھے کچھ ان ہی کے جیسے نااہل بچوں کے اہل تھے۔بہن کے آگے اپنا دکھڑا سنایا تو انہوں نے بھی جواب میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔یکایک کمال کو ایک کمال کی ترکیب سوجھی۔ انہوں نے بہن کے آگے جھٹ پٹ دونوں کے رشتے کی بات رکھ دی۔ ژالے کے لیے اپنے بڑے بیٹے شمیم کا رشتہ دیتے ہوئے انہوں نے اپنی چھوٹی بیٹی ممتاز کے لیے بھانجے ارحم کو داماد بنانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں... صفیہ اور عطیہ کو تو کمال کی بات اندھیرے میں جگنو کی طرح لگی لیکن فیصلہ فقط دونوں عورتوں کی خواہش تک

محدود نہیں تھا لہٰذا معاملہ مردوں کے سامنے رکھا گیا۔عبدالرحیم اور عبدالرحمان کو بھی رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ایک خاندان سے اور دوسرے بیرون ملک... بھئی ہمارے یہاں تو یوں بھی چائنا کی چیز پہ میڈ ان امریکہ لکھ دیں تو ہاتھوں ہاتھ مہنگے داموں فروخت ہوتی ہے یہ تو پھر انسانوں کی بات ہے۔صفیہ نے بڑے اچھے انداز میں بڑے ابا کو بھی قائل کر ہی لیا لہٰذا سب کی رضامندی سے اسی وقت کمال صاحب کو کال کرکے مطلع کردیا گیا۔وہ بھی بہن کی زبانی ہاں سن کر خوامخواہ خوش ہوگئے اور فوراً پاکستان آنے کی تیاری کرلی۔

☆☆☆☆☆☆

گھر میں اچانک خوشی اور ہنگامہ سر اٹھانے لگا۔چہل پہل شروع ہوگئی لیکن ژالے اور ارحم پر تو جیسے یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔

''شمیم... بھلا یہ بھی کبھی کسی مرد کا نام ہوا کرتا ہے؟'' وہ دوڑی بھاگی ارحم کے کمرے میں آئی۔

''تمہیں نام سے کیا لینا ہے۔'' وہ خود اپنا سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا پریشان تھا۔صفیہ نے اسے کل ہی شیروانی سلوانے کا حکم دیا تھا۔

''جس کا نام مردوں والا نہیں اس کے کام کیسے ہوں گے۔'' وہ جل کر بولی۔

''ویسے کیا تم کرلو گے شادی اپنی کزن ممتاز سے؟'' پھر اچانک اس نے دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

''امی نے مجھے شیروانی سلوانے کا کہا ہے وہ بھی کل۔'' اس نے منہ بنا کے کہا۔

''تو ریڈی میڈ خرید لو، اتنا مسئلہ تو نہیں۔آج کل تو سب ڈیزائنیز کی مل جاتی ہیں۔اس میں اتنا منہ بنانے والی کون سی بات ہے بھئی۔'' ارحم کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے وہ کتنی معصومیت سے اس کے دل کی حالت کو نظر انداز کر گئی تھی۔

''بھاڑ میں جائیں ڈیزائنیز اور ان کی شیروانیاں، نہیں کرنی مجھے اس چھوٹی عقل کی موٹی ممتاز سے شادی۔بچپن سے زہر لگتی ہے وہ مجھے۔''

ژالے کو اب اس کے اترے ہوئے چہرے اور پریشانی کا احساس ہوا۔ یعنی وہ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔

''وہی تو میں سوچ رہی تھی، تم تو ماہ نور کو پسند کرتے ہو ناں اور وہ بھی تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے۔ بھلا کیسے کسی اور سے شادی کرسکتے ہو۔ تم ایسا کرو فوراً انکار کردو۔'' ارحم نے لب بھینچے اور اس کی طرف دیکھا جو خاصی سنجیدگی سے اسے مشورہ دے رہی تھی۔

''ژالے... میں... تم جاؤ یہاں سے پلیز۔'' وہ خاصی رکھائی سے بولا۔

''لیکن ارحم یہ رشتہ... میرا مطلب ہے...'' اسے ارحم کا اکھڑا ہوا لہجہ عجیب لگا۔

''میں کرتا ہوں کچھ، تم ابھی جاؤ۔'' اس بار اس کا انداز دھیما تھا۔ ژالے چپ چاپ منہ بناتی ہوئی اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ہیلو شمیم... میں ارحم بات کررہا ہوں۔'' ژالے کے نکلتے ہی ارحم نے اپنے سیل فون سے کال ملائی۔

''ہاں ارحم، سب خیریت تو ہے ناں؟'' دوسری طرف دوستانہ انداز میں سوال کیا گیا۔

''یار یہ شادیاں نہیں ہوسکتیں۔'' شمیم نے کان پہ لگا سیل فون ہٹا کر جیسے مشکوک نگاہوں سے اپنے اسمارٹ فون کو دیکھا اور پھر واپس کان پہ لگا لیا۔

''ایسے ڈائیلاگ عموماً گھر والوں کی زبانی سننے کو ملتے ہیں۔تم پہلے دولہا ہو جو یہ کہہ رہے ہو۔'' اس نے پر مزاح انداز میں کہتے ہوئے اس کی بات سے لطف اٹھایا۔

''شمیم... تم تو سب جانتے ہو پھر کس طرح اس رشتے پہ راضی ہوگئے۔'' اس نے شکایت کی۔

''دیکھو ارحم... میں راضی نہیں ہوا ان فیکٹ میں خود تمہیں فون کرنے والا تھا کہ تم نے کیا سوچا ہے'کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو میں یہ شادی ہرگز نہیں کرسکتا۔'' وہ قدرے سنجیدگی سے بولا۔

''سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت جیسے سلب ہو چکی ہے۔ایسا لگ رہا ہے دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔ساتھ ساتھ کمرے کے چکر بھی لگا رہا تھا۔

''میرے پاس ایک ترکیب ہے اگر تم ژالے کو راضی کرلو تو...'' شمیم سوچتے ہوئے بولا۔ارحم یک دم چوکنا ہوا اور فون کان سے لگائے خاموشی سے اس کی بات سن کر بس سر ہلاتا رہا۔بہرحال حل مناسب تھا البتہ کام مشکل لیکن کرنا ضروری تھا کیونکہ اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا لیکن اس سے بڑا مسئلہ ژالے کو سمجھانا تھا جس کی کامیابی کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔پھر بھی اسے کوشش تو کرنا ہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے ارحم؟'' وہ اپنے کمرے میں منہ بسورے بیٹھی اپنی قسمت کو کوس رہی تھی۔ارحم کی بات سن کر مزید سیخ پا ہو گئی۔

''دیکھو اگر شمیم سے جان چھڑانی ہے تو پھر یہ کرنا پڑے گا۔''
منصوبے کے مطابق اس نے ژالے کو یہ نہیں بتایا تھا کہ شمیم بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ حل بھی اسی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے ورنہ اسے لازمی شک ہوجاتا۔ارحم کا سنجیدہ چہرہ اور دو ٹوک انداز دیکھ کر ژالے بھی سوچنے پہ مجبور ہوگئ لیکن دل و دماغ میں کشمکش اپنی جگہ جاری تھی۔
''لیکن ماہ نور کا کیا ہوگا؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔ارحم کا دل چاہا اس کا گلا دبا دے لیکن اس صورت حال میں وہ اس سے بگاڑ نہیں سکتا تھا لہٰذا صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غصے پہ قابو رکھا۔
''اس کی تم فکر مت کرو' اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہوجائے گا ابھی پہلے اس شمیم اور ممتاز سے تو چھٹکارہ پالیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی لیکن ژالے ابھی تک الجھن شکار تھی۔

''میرا دل نہیں مان رہا... کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔'' اس نے ڈرتے ہوئے ارحم سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا بس تم اس کی ٹینشن نہ لو' گھر والے کمال ماموں کو انکار صرف ایک ہی صورت میں کریں گے اگر ہم دونوں انہیں یہ یقین دلا دیں کہ ہم ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' شمیم کا خیال تھا کہ اگر وہ دونوں گھر والوں کے سامنے محبت کا ناٹک کریں تو وہ بنا کسی اعتراض شمیم اور ممتاز کے رشتوں سے دست بردار ہوجائیں گے اور دونوں گھروں میں کوئی ناراض بھی نہیں ہوگا۔ گو سب کے ماننے والی بات تھی تو نہیں کیونکہ برسوں سے ژالے اور ارحم کے درمیان سجا پانی پت کا میدان کسی کو بھی یہ یقین نہ کرنے دیتا جو ہر لمحہ ایک دوسرے کے بال نوچنے پہ راضی رہتے تھے۔

''محبت اور تم سے... سوچ کر ہی وحشت ہورہی ہے۔'' حسبِ عادت ژالے چپ نہیں رہ پائی۔

''مجھے بھی گھِن آرہی ہے لیکن کیا کروں مجبوری ہے۔اس کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔'' ارحم بھلا کون سا ادھار رکھنے کا عادی تھا۔

''ارحم تم...'' وہ بے اختیار کہتے ہوئے رکی کیونکہ ارحم تنبیہی نگاہوں سے اس کی اٹھی انگلی کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو ژالے... میں یہ ساری ٹینشن تمہاری وجہ سے لے رہا ہوں ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں اس مصیبت میں پھنسنے کا۔'' وہ ایک دم بلیک میلنگ پہ اتر آیا۔

''او ہیلو... میرے لیے اتنی ٹینشن لے رہے ہو اور وہ ڈائری میں ماہ نور کے لیے محبت نامے لکھ رکھے رہے ہیں ان کا کیا... ہاں؟ ممتاز کے چکر میں ماہ نور کو بھول گئے کیا۔'' سامنے ژالے تھی جسے بلیک میل کرنا آسان نہیں تھا۔پھر ماہ نور نامی ارحم کی دکھتی رگ تو بہرحال تھی ہی اس کے ہاتھ میں۔

''نہیں بھولا اور کبھی بھول بھی نہیں سکتا۔کوئی بھی اپنی پہلی محبت نہیں بھول سکتا اور اسے پانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔تم اگر

میرا ساتھ نہیں دو گی ناں ژالے تو میں اکیلا ہی کچھ کرلوں گا لیکن پھر تم مجھ سے شکایت مت کرنا۔" دو ٹوک کہتے ہوئے ارحم دروازے کی طرف بڑھا۔

''اوکے... اوکے زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' اس کھیل میں' میں تمہارے ساتھ ہوں کیونکہ اس باجی شمیم سے شادی تو مجھے مر کر بھی نہیں کرنی جس کا نام ہی عورتوں والا ہے۔" سچ تو یہ ہے ژالے اس اسٹیج پہ اس سے ہرگز جھگڑے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ایک وہی تو تھا اس وقت جو اس کی مدد پہ رضا مند تھا پھر اگر معمولی سے جھوٹ سے یہ شادی کی تلوار ٹل جاتی تو حرج ہی کیا تھا۔

''تو بس پھر جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح کرو۔" ارحم واپس اس کے سامنے بیٹھ کر اسے سنجیدگی سے اگلی حکمتِ عملی سمجھانے لگا۔ اسے اعتراض تو تھا لیکن وہ خاموش بیٹھی، لب بھینچے سر ہلاتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆

''کیا کہا ذرا پھر سے کہنا؟" بڑی بہو نے حیرت سے سوال کیا۔

''کیا کہا ذرا پھر سے کہنا؟'' بڑے ابا نے گلا کھنکھارتے بڑی بہو سے سوال کیا۔

''بڑے ابا یہ کہہ رہے ہیں شمیم اور ممتاز کو نہیں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' گو یقین تو انہیں بھی نہیں آرہا تھا جب بیٹے کی زبانی یہ سب سنا تو اس بے ہودہ مذاق پہ اسے فی الفور ڈانٹ دیا لیکن ارحم نے کان پکڑے' پاؤں دبائے تو مجبوراً انہیں یقین کرنا ہی پڑا۔اسی وقت بات دیورانی کو بتائی جس نے بیٹی سے تصدیق کے بعد میاں کے کان میں ڈالی۔یعنی آنِ واحد میں ان دونوں کا جھوٹ وائرل ہو گیا تھا۔

''اچھا یہ سانحہ کب ہوا، کل تک تو دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے۔یہ آج اچانک مفاہمت اور امن کی باتیں کیسے ہونے لگیں؟'' بڑے ابا نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے ارحم کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جو اس وقت سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، بات ہضم تو ہمیں بھی نہیں ہو رہی لیکن اب خود کہہ رہے ہیں تو یقین کرنا مجبوری ہے۔'' عبدالرحمان نے انگلیاں

مروڑتی ژالے کو دیکھتے ہوئے بڑے ابا کی ہاں میں ہاں ملائی۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ سب کمال والے رشتے کی بات کرنے وہاں جمع ہوئے تھے اور اب ایک بار پھر سب وہیں موجود تھے۔

''بھئی ہمیں تو کوئی خاص اعتراض نہیں البتہ یقین نہیں آرہا۔چلو اب اگر ان کی مرضی ہے تمام عمر ہمسایہ ملکوں کی طرح دشمنی نبھانے کی تو بہرحال ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔'' بڑے ابا نے خاصی سوچ بچار اور ایک طویل خاموشی کے بعد عینک اتار کر واپس کور میں رکھتے ایک سرد آہ بھری۔ظاہر ہے ان کے لیے سب کی خوشی میں ہی خوشی تھی۔

''بڑے ابا کم سے کم آپ تو ایسی باتیں مت کریں۔'' ارحم نے دھیما سا احتجاج کیا۔

''چلو نہیں کرتے۔اچھا یہ بتاؤ کمال میاں سے بات ہوئی۔انہیں کیا کہو گے اب، وہ بے چارے تو شادی کی تیاریوں میں لگے ہیں۔'' وہ بے ساختہ ہنسے پھر ساتھ ہی سنجیدگی سے بہو اور بیٹوں سے سوال کیا کیونکہ ابھی چند گھنٹے پہلے ان کے سامنے ہی تو کمال کو فون کرکے رشتے پکے

ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔مبارک بادیں وصول کی گئی تھیں۔شادی کے دن تاریخ پہ بات چیت ہوئی تھی اور یوں اچانک انکار کرنا بھی انتہائی غیر مناسب محسوس ہورہا تھا۔

''کمال بھائی کو میں سمجھا لوں گی بڑے ابا اور مجھے پورا یقین ہے انہیں اس پہ ہرگز اعتراض نہیں ہوگا۔'' عطیہ بیگم نے مطمئن لہجے میں یقین دہانی کرائی۔بہرحال وہ بیٹے کی پسند پہ دل وجان سے رضامند تھیں کہ بھتیجی کو بہو نہ بنانے کا کوئی قلق محسوس نہیں ہورہا تھا۔

''اور کتنی اچھی بات ہے نہ بھابی ژالے ہمیشہ میرے پاس رہے گی ورنہ تو اسے ملک سے باہر بھیجنے کا سوچ کر ہی دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔'' عطیہ بیگم ایک طرف تو بیٹی کی شادی میں خوش تھیں لیکن جب سے رشتے کی بات پکی ہوئی تھی شوہر کے سامنے کئی بار آنسو بہا چکی تھیں۔اب اولاد بھلے کتنی ہی ناخلف کیوں نہ ہو ماں باپ کو اس کی جدائی کا غم تو ہوتا ہے۔عبدالرحمان بھی بیٹی کو رخصت کرنے کا سوچ کر

آنکھوں کی نمی روک نہیں پائے تھے لیکن اب ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ گھر سے گھر تک کا ہی تو سفر تھا جو ژالے کو کرنا تھا۔

''میرے لیے تو جیسی ممتاز ویسی ژالے بلکہ ژالے تو بچپن سے میری گود میں پلی ہے۔اس جیسی محبت تو مجھے ارحم سے بھی نہیں عطیہ۔'' تائی جی نے ژالے کو گلے لگاتے ہوئے جذباتی ہوکر دیورانی کو بھی تسلی دی۔

''بڑے ابا... میرا تو خیال ہے اگلے ہفتے ان دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ بھئی گھر کی ہی تو بات ہے اور پھر ان کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد رخصتی ہوجائے گی۔'' عطیہ بیگم نے مسکرا کر کہتے ہوئے بڑے ابا کی طرف دیکھا۔وہ خود بھی اسی پہلو پہ سوچ رہے تھے۔اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کردیا۔

''نہیں... نہیں امی... نکاح بالکل نہیں، وہ میرا مطلب ہے اتنی جلدی نکاح نہیں ہوسکتا۔'' وہاں بیٹھی ژالے کے ہاتھوں کے طوطے مینا سب اڑ گئے' وہ اس بار خود کو خاموش رہنے سے روک نہیں پائی۔بات ڈرامے

کی تھی کہ گھر والوں کو یہ یقین آجائے وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں مگر یہاں تو یہ لوگ نکاح تک پہنچ گئے تھے۔

’’بھئی سنت ہی تو پوری کرنی ہے، کرنا چاہیں تو آج شام ہی ہوجائے گا پھر ایک ہفتہ تو بہت ہوتا ہے۔‘‘ تائی جی نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

’’لیکن بڑے ابا ابھی تو ہمارے ایگزام اور پڑھائی میرا مطلب... تم بھی تو کچھ بولو ارحم۔‘‘ اس نے منت والے انداز میں کہتے ہوئے یک دم غصے سے ارحم کی طرف دیکھا جو بے حد سنجیدہ سر جھکائے بیٹھا ہرگز معترض نہیں لگ رہا تھا۔

’’اسی لیے تو رخصتی بعد میں رکھی ہے‘ تم دونوں آرام سے ایگزام دے لو، ارحم آفس جوائن کرلے گا۔اتنے عرصے میں ہم شادی کی سب تیاری مکمل کرلیں گے لیکن نکاح تو بس اگلے ہفتے ہی ہو گا۔‘‘ عبدالرحمان نے جھٹ جواب دیتے ہوئے ژالے کے سر پر تھپکتے دی۔

’’اب آپ سب بڑوں کی یہی مرضی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔‘‘ ارحم نے اتنی ہی معصومیت کا مظاہرہ کیا جتنا وہ ٹینڈے کھاتے کررہا تھا یعنی بلا اعتراض اس نے ژالے سے نکاح کے لیے ہاں کردی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ تن فن کرتی اس کے کمرے میں پہنچی اور جنگلی بلی کی طرح اس پر جھپٹی، وہ جو ابھی سونے کے لیے بستر پہ لیٹا ہی تھا اس کی جارحانہ کارروائی پہ ایک دم بوکھلا کر اٹھا اور اس کی دسترس سے دور نکل گیا ورنہ آج یقینا ژالے کے ہاتھوں ضائع ہوجاتا۔

’’اب آپ سب کی مرضی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔‘‘ طنزیہ انداز میں اس نے ارحم ہی کے انداز میں کہتے دونوں ہاتھ ایک بار پھر اس کی گردن کی طرف بڑھائے۔

’’جھوٹے، مکار، حد ہوتی ہے کمینے پن کی‘ تمہیں کچھ اندازہ ہے تمہاری یہ تابعداری کا ناٹک ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔‘‘ اس کا بس نہیں چل رہا تھا واقعی ارحم کا گلا دبا دے۔

’’تو کیا کہتا بتاؤ؟ بڑے ابا ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن شادی نہیں کرنا چاہتے، یہ کہتا ان سے؟‘‘ وہ بھی غصے سے کہتا سیدھا ہوا۔

’’کوئی بھی بہانہ کرلیتے لیکن یہ نکاح رکوا دیتے ارحم۔‘‘ سر پکڑے گرنے کے سے انداز میں وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

’’تم شمیم سے شادی سے پریشان تھی وہ رک گئی ناں؟‘‘ اس نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔

’’لیکن تم سے جو ہونے لگی ہے اس کا کیا... آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔‘‘ اس کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔

’’دیکھو ژالے میں خود بھی تم سے شادی کرنے پہ رضامند نہیں ہوں لیکن اگر اس وقت گھر والوں کے سامنے کوئی اعتراض کرتا تو ہماری

پول کھل جاتی اور اس کا نتیجہ شمیم اور ممتاز کی صورت ہم دونوں کو تمام عمر بھگتنا ہوتا۔اب اگر تم اس کے لیے راضی ہو تو بتاؤ میں ابھی جاکر بڑے ابا کو سچائی بتا دیتا ہوں۔" وہ قدرے سنجیدگی سے کہتا بیڈ سے اترا جیسے واقعی جاکر بڑے ابا کو سب بتا دے گا۔

''نہیں پلیز ایسا مت کرنا۔" ژالے نے ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہتے اسے واپس بٹھایا۔

''لیکن ارحم..." دل ابھی بھی بے چین تھا اب اس دل کا کیا کرتی۔

''بس اب سکون سے میری بات سنو۔یہ نکاح ہو بھی جائے تو کوئی ہم دونوں کی مرضی کے بغیر رخصتی نہیں کروا سکتا اور رخصتی میں تو ابھی وقت ہے ناں۔بے فکر رہو اس سے پہلے ہی یہ سب معاملہ ختم ہوجائے گا۔" نہایت تحمل سے اس کے ہاتھ کی پشت تھپکتے اس نے ژالے کو تسلی دی۔

''تمہارا مطلب طلاق... لیکن گھر والے؟" اسے شاک لگا۔

''وہ میرا مسئلہ ہے مجھ پہ چھوڑ دو۔میں کرلوں گا ہینڈل سب کو لیکن پلیز اس وقت کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کرکے کسی کے دل میں شک مت پیدا کرنا ورنہ ایک منٹ لگے گا ہماری پول کھلنے میں اور پھر شمیم ہی ملے گا تمھیں۔'' ارحم نے اقرار کیا تھا نہ انکار البتہ وہ خاصا سنجیدہ تھا۔

''مجھے شمیم کی دھمکیاں تو ایسے دے رہے ہو جیسے خود ممتاز سے بچ جاؤ گے۔ تمھیں کون سا ماہ نور مل جائے گی۔ارے ہاں ماہ نور... تم اسے کیا کہو گے؟'' وہ حد درجہ کنفیوز تھی۔

''وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے اس لیے اپنی چونچ بند رکھو۔'' ارحم کا انداز جیسے بات ٹالنے والا تھا۔وہ اٹھ کر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''ارحم میں تمھیں بتا رہی ہوں زبان سنبھال کے بات کرو ورنہ...'' ژالے پیچھے لپکی۔

’’ورنہ کیا؟‘‘ ارحم نے پلٹ کر اونچی آواز میں سوال کیا۔اس کے تیور دیکھ کر ژالے کا سانس خشک ہوگیا لیکن اسی وقت عطیہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

’’یہ کیا ہورہا ہے... تم دونوں پھر جھگڑا کررہے ہو؟‘‘ وہ شاید ان دونوں کی آوازیں سن کر ہی اس طرف آئی تھیں۔آتے ہی تشویش اور غصے سے سوال کیا۔

’’جھگڑا بالکل نہیں ہم تو ایک ٹاپک پہ ڈسکس کررہے تھے۔میں ژالے کو کل کی کلاس ڈسکشن کے لیے گائیڈ کر رہا تھا چچی۔‘‘ ارحم نے بے تحاشہ مسکراتے انتہائی ہلکے پھلکے انداز میں انہیں تسلی دی۔

’’جی امی ارحم ٹھیک کہہ رہا ہے‘ ہم تو پڑھائی کی باتیں کررہے تھے۔‘‘ ژالے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی وہ دونوں کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھتیں کمرے سے نکل گئیں۔پیچھے منہ بناتی ارحم کو گھورتی ژالے بھی اس کے کمرے سے باہر آگئی۔

ژالے کے نکلتے ہی ارحم مطمئن سے انداز میں سیٹی بجاتا لائٹ آف کرکے بستر پہ پرسکون سے انداز میں لیٹ گیا۔ آج کا دن واقعی تھکا دینے والا تھا اور اب اس کا ارادہ لمبی تان کر سونے کا تھا پھر بھلے اگلے چند دن ژالے سکون سے سانس بھی نہ لے پاتی۔

☆☆☆☆☆☆

ژالے نے لاکھ کوشش کی، شروع سے آخر تک ہر بات پہ غور کیا اور پھر نئے سرے سے مسئلے کا حل تلاش کرنے لگی لیکن مجال ہے جو کوئی بھی بات سمجھ آئی ہو کہ کسی بھی طرح اس زبردستی کی محبت اور نکاح سے جان چھوٹ سکے۔ کسی سے کہنا تو سمجھو موت کو دعوت دینا تھا اور ارحم اس کے ہر سوال پہ خاموش رہنے کو کہتا یا پھر شمیم کا نام لے کر ڈراتا۔ ژالے مجبوراً خاموش ہوجاتی لیکن دل تھا کہ کسی صورت ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ کہاں جس کے ساتھ ہر وقت خانہ جنگی کی سی کیفیت رہتی تھی، اب ہر وقت سب کے سامنے میٹھا بننا پڑتا اور یہی نہیں اب تو بس دنوں کا معاملہ تھا نکاح کی صورت تمام عمر کے لیے ارحم نام کا

ڈھول اس کے گلے میں ڈالا جارہا تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی شمیم میں نام کے علاوہ تو کوئی خاص برائی بھی نہیں اس سب ناٹک سے تو اچھا اسی سے شادی کرلیتی کم سے کم ارحم کے ساتھ مل کر یہ سارا ڈرامہ تو نہ رچانا پڑتا لیکن جو نام سے ہی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس کے ساتھ شادی کا تصور ہی جان لیوا تھا وہ بھی اس وقت جبکہ ژالے اسے جانتی بھی زیادہ نہیں تھی باقی ارحم نے تسلی بھی دی تھی کہ وہ جلد یہ نکاح ختم کردے گا اور ژالے آزاد ہوجائے گی۔

تائی جی نے کمال بھائی کو بھی ژالے اور ارحم کے نکاح کا بتا کر رشتوں سے معذرت کرلی تھی اور حسبِ توقع انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ خوشی سے دونوں کو دعاؤں کا تحفہ بھیجا تھا۔گھر میں نکاح کی حوالے سے ہنگامے تو پہلے ہی شروع ہوچکے تھے۔اب تو باقاعدہ سب تیاریوں میں مگن تھے۔رسم سادگی سے ادا کی جانی تھی اور بس خاندان کے چند قریبی عزیز و اقارب کو ہی مدعو کیا گیا تھا پھر بھی دعوت کا اہتمام خوب تھا جو ایک مقامی ہوٹل میں رکھی گئی تھی۔

ژالے کی مرضی نہ ہونے کے باوجود تائی جی کی خواہش پہ اسے سرخ رنگ کا غرارہ پہننا ہی پڑا تو عبیر نے زور زبردستی بیوٹیشن سے ٹائم لے کر مہندی اور میک اپ بھی کروا دیا۔وہ ارحم کو مدد کے لیے پکارتی رہی لیکن وہ اپنے کسی پراجیکٹ میں سر دیے منظر سے بالکل غائب ہوگیا تھا مجبوراً ژالے کو بھی ہتھیار ڈالنا پڑے۔محبت کا ڈرامہ ہی کیا کم ستم تھا کہ زبردستی کا نکاح اور اس پہ یہ بناؤ سنگھار، وہ اس وقت خود کو دنیا کا سب سے زیادہ احمق انسان تصور کررہی تھی اور اس کے خیال پہ یقین کی مہر ارحم نے ثبت کی۔نکاح کے وقت دوستوں کے ہمراہ وہ بڑے ٹھاٹ سے ڈیزائنر شیروانی پہنے ہوٹل پہنچا۔عبیر کے فون پہ بنی اس کی اپنے دوستوں کے ساتھ ڈھول کی تھاپ پہ ناچتے ویڈیو دیکھ کر اندر بیٹھی ژالے کا دل اس کی جان لینے کو چاہ رہا تھا کیونکہ اس کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ڈرامہ یا مجبوری میں یہ نکاح کررہا ہے۔دل چاہا سب کے سامنے اس کا پول کھول دے لیکن یہ موقع اس وقت کسی بھی ردِعمل کا نہیں تھا بلکہ صبر کے گھونٹ پینے کا تھا لہٰذا ارحم کا خون پینے کا

ارادہ ترک کرتے اس نے آنسو بہاتے نکاح نامے پہ دستخط کئے اور بھوک سے بے حال ہوکر مجبوری میں اپنے ہی نکاح کے چھوارے اور ٹافیاں کھا کر کولڈرنک سے حلق تر کیا۔

☆☆☆☆☆☆

نکاح کے بعد وہ ابھی برائیڈل روم میں ہی بیٹھی اپنی بے بسی کو کوس رہی تھی کہ عبیر بھاگم بھاگ پھولی سانس کے ساتھ وہاں پہنچی اور نہایت پرجوش انداز میں خوشی سے بے حال ہوتے اس کے قریب ایک نیا بم پھوڑا۔

''ارحم بھائی اور ان کے دوست رخصتی کی بات کررہے ہیں۔بڑے ابا سے سب التجاء کررہے ہیں کہ رخصتی چند ماہ بعد نہیں ابھی ہونی چاہیے۔'' ژالے کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''کیا...!کیا مطلب...؟ ابھی رخصتی کیسے ہوسکتی ہے۔'' یہ سب اس کھیل کا حصہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔

''امی اور چچی بھی یہی کہہ رہی ہیں کہ ابھی اتنی سادہ سی تقریب میں رخصتی کیسے ہوسکتی ہے لیکن فون پہ کمال ماموں اور شمیم بھائی نے بھی بابا سے کہا ہے کہ گھر کی بات ہے نکاح کے بعد رخصتی کو التواء میں مت ڈالا جائے اور ابھی اس فرض سے سبکدوش ہوجانا بہتر ہے۔'' عبیر جلدی جلدی اسے ساری بات بتا رہی تھی۔

''شمیم...؟'' ژالے نے بے یقینی سے دہرایا۔

''ارحم... ارحم کہاں ہے عبیر؟'' وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔یقینا کوئی بہت بڑی سازش ہورہی تھی جس کی اسے خبر تک نہیں تھی۔

''بھائی تو اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ بڑے ابا کو منا رہے ہیں۔میں بھی آپ کو بس یہی بتانے آئی تھی آپی کہ آپ کی جلدی سنی گئی ہے۔اب آپ گھر میں اپنے نہیں ہمارے پورشن میں جانے والی ہیں اس لیے تیار ہوجائیں۔'' اس کے چونکنے اور گھبرانے کو نظر انداز کرتی عبیر اتنی ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

’’یااللہ یہ سب کیا ہورہا ہے؟ ارحم میرے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہا ہے‘ وہ تو ماہ نور سے محبت کرتا تھا اور یہ نکاح تو...‘‘ ژالے بے دم سی واپس صوفہ پہ سر تھامے بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

وہاں کسی کے پاس اس کا احتجاج تو دور، بات سننے کا بھی وقت نہیں تھا۔ وہ سب اتنے مصروف تھے کہ ان میں سے کوئی بھی ژالے کے پاس نہیں آیا۔عبیر کے ساتھ اسٹیج پہ جاتے اس نے ایک بار ماں کو التجائیہ انداز میں پکارا لیکن انہوں نے جھٹ پٹ خوشی سے اس کی بلائیں لیتے ماتھا چوما اور ارحم کے ساتھ بٹھا دیا۔اس کے مقابلے میں وہاں ارحم انتہائی مطمئن اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔
رخصتی بھی ایک طرح سے بس ہوٹل سے واپسی ہی تھی لیکن گھر پہنچ کر اسے تائی جی اور عبیر، ارحم کے کمرے میں چھوڑ گئیں۔اب تک وہ فقط اداس اور پریشان تھی لیکن کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی اسے حیرت کا

شدید جھٹکا لگا' کمرہ انتہائی شاندار انداز میں پھولوں سے سجا ہوا تھا۔تو یقینا یہ سب پہلے سے پلان تھا جسے اس سے چھپایا گیا تھا۔

''ارحم تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہو؟'' اسے دیکھتے ہی بے اختیار وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف لپکی اور اس کا بازو تھام لیا۔

''میں نے کیا کیا ژالے؟'' حد درجہ معصومیت سے کہتے اس نے اس کا دل جلایا۔

''پہلے نکاح اور اچانک رخصتی... یہ کون سا کھیل کھیلا ہے تم نے میرے ساتھ؟ تم نے تو کہا تھا تم یہ نکاح ختم کردو گے کیونکہ تم ماہ نور کو پسند کرتے ہو۔'' ایک ہی سانس میں اپنی تشویش کو سوالات کی صورت ڈھال کر وہ چلائی۔

''جھوٹ بولا تھا تم سے کیونکہ مجبوری تھی... اگر تمہیں سچ بتاتا تو تم میری بات کا یقین کبھی نہیں کرتی۔'' ژالے نے بے یقینی سے ارحم کے مطمئن چہرے کی طرف دیکھا۔جانے کتنی ہی دیر وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی اور پھر جیسے ہوش میں آئی تو کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔

''جھوٹ... اس کا مطلب ارحم... اوہ مائی گاڈ... تم نے مجھ سے اپنی اسائنمنٹ کا بدلہ اس طرح لیا۔ مجھ سے دھوکے میں شادی کرلی تاکہ ساری عمر تم مجھ پر حکم چلا سکو، اپنی اجارہ داری قائم کرسکو۔'' اس کی آواز جیسے کہیں دور سے سنائی دے رہی تھی۔ خود کلامی کے سے انداز میں کہتی وہ بیڈ کے کونے پہ بیٹھی زارو قطار رونے لگی۔

''یار اسائنمنٹ کی بات کہاں سے آگئی درمیان میں۔'' ارحم خجالت سے کہتا اس کے سامنے بیٹھا اور نرمی سے ہاتھ پکڑنا چاہا۔

''تو اور کون سی بات تھی، تم نے ہمیشہ میری شرارت کے جواب میں مجھ سے بدترین انتقام لیا ہے ارحم اور اس بار تو میری زندگی کا ہی تماشا بنادیا۔ میں نے تم پہ پہلی بار اعتبار کیا اور تم نے پہلی ہی بار میرے اعتبار کا بری طرح خون کر دیا میں اس کے لیے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ شیرنی کی طرح دھاڑی۔

''تم ایک انتہائی احمق اور جذباتی لڑکی ہو یہی وجہ ہے کہ کبھی سوچ سمجھ کر کوئی کام کیا ہے نہ بات۔'' وہ لب بھینچے چڑ کر بولا۔ ژالے کا

دل چاہا ابھی گھر والوں کو بلا کر سب کو اپنے ساتھ ہوئے دھوکے کی داستان سنائے کہ کس طرح ارحم نے اسے فریب دے کر شادی کی۔

''ہاں میں ہوں احمق اور جذباتی اسی لیے تمہارے جھوٹ پہ یقین کرلیا لیکن مسٹر ارحم تم کسی دھوکے میں مت رہنا' تمہیں کیا لگتا ہے میں اتنی آسانی سے خاموش ہوجاؤں گی اور تم یہاں مجھے گھر میں قید کرکے ماہ نور کے ساتھ عشق کرتے رہو گے۔میں ابھی جاکر سب گھر والوں کو تمہاری حقیقت بتاتی ہوں۔'' ڈرنے والی تو وہ بہرحال کسی سے بھی نہیں تھی۔اپنی بات کو عملی جامہ پہنانے وہ اسی وقت اٹھ کر کھڑی ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ آگے بڑھتی ارحم نے کھینچ کر واپس بٹھا دیا۔

''ارے یار یہ ماہ نور گھوم پھر کر کہاں سے آجاتی ہے ہمارے درمیان۔'' ایک تو یہ پریشانی کہ شور سن کر سچ میں اس وقت کوئی آ ہی نہ جائے اور سوال جواب کرنے لگے اس پہ ژالے کی بدگمانی۔ارحم نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیونکہ وہ تھی اور ہے ہمیشہ سے' تم نے خود کہا تھا مجھ سے کہ تم ماہ نور سے بے پناہ محبت کرتے ہو اور اس کا ثبوت وہ محبت نامے ہیں جو تم مجھ سے چھپا کر اپنی ڈائری میں لکھا کرتے تھے۔'' وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا؟'' اس نے انگلی سے اشارہ کرتے سوالیہ نظروں سے ژالے کی طرف دیکھا۔

''ژالے میں نے تم سے آج تک ماہ نور یا کسی بھی لڑکی سے محبت پہ حامی نہیں بھری۔'' ارحم کی بات نے ژالے کے رونے دھونے کو بے اختیار بریک لگا دیا۔

''تو پھر وہ تمہاری ڈائری اس میں...'' ارحم اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی دراز سے ڈائری نکال کر بیڈ پہ ژالے کے سامنے پھینک دی۔

''یہ رہی میری ڈائری جسے میں تم سمیت سب سے چھپاتا رہا ہوں۔لو خود ہی دیکھ لو اس میں کس لڑکی کا نام لکھا ہے۔'' ژالے نے ایک نگاہ ارحم کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا اور پھر جھجکتے ہوئے ڈائری

اٹھالی۔ایک ایک صفحہ پلٹتے ژالے کی آنکھوں میں بے یقینی و حیرت نمایاں تھی۔

''یہ... تو... میں...'' وہ چاہ کر بھی پورا جملہ نہیں بول پائی۔

''ہاں ژالے تم۔'' ارحم پلٹا تو اس کے ہاتھ میں کچھ اور بھی تھا جسے اس نے ایک ایک کرکے ژالے کے سامنے رکھنا شروع کردیا۔

''یہ تمہاری تصویریں، رمشہ کی شادی پہ پہنے تمہارے گجرے کے پھول اور یہ تمہاری ٹوٹی ہوئی چوڑی... سالوں سے میری تمہارے لیے محبت کے راز دار ہیں۔'' وہ پچھلے کئی سالوں سے ان مرجھائے ہوئے پھولوں کو سنبھالے ہوئے تھا۔

''اب بھی یقین نہیں آرہا تو شمیم سے پوچھ لو۔وہ میرا واحد دوست ہے جس سے میں نے تمہاری محبت کو شئیر کیا ہے۔'' شمیم کا نام وہ پہلے بھی عبیر کی زبانی سن کر ٹھٹکی تھی۔اس وقت ذہن میں یہی سوال آیا تھا کہ شمیم اس معاملے میں اتنا خوش کیوں ہورہا ہے لیکن خود پہ پڑی افتاد

نے یہ سوال کرنے کا موقع ہی کہاں دیا تھا لیکن اب ارحم کی زبانی سچائی جان کر اپنے اس سوال کا جواب بھی مل گیا تھا۔

''لیکن تم تو ہمیشہ مجھے ستایا کرتے تھے' مجھے تو کبھی احساس ہی نہیں ہوا ارحم کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔'' اپنی چوڑیوں کی کرچیاں پہچانتے ژالے نے حیرت سے سوال کیا۔یہ چوڑیاں چند سال پہلے عید پہ ارحم نے ہی اسے اور عبیر کو دلوائی تھیں لیکن عید کے دن ژالے سے کسی بات پہ جھگڑتے اس کا ہاتھ زور سے تھامنے پہ وہ ژالے کی کلائی میں ٹوٹ گئی تھیں۔ارحم کی ہتھیلی اور ژالے کی کلائی ایک ساتھ زخمی ہوئی تھی۔

''وہ تو مجھے تمہیں تنگ کرکے مزا آتا تھا تم جب غصے سے لال پیلی ہوتی اور اکثر روتے دھوتے میری شکایت بڑے ابا سے کرتی تو تمہاری معصومیت پہ جی بھر کے پیار آتا تھا۔'' وہ دھیما سا مسکرایا اور شرارتی نظروں سے ژالے کو دیکھا۔

''اوہ میرے اللہ... کیا ہوجاتا اگر تم یہ سب سیدھے راستے سے کرلیتے۔ آج اگر غصے اور فرسٹریشن میں آکر میں کچھ الٹا سیدھا کرلیتی تو...'' آج پہلی بار ارحم کی شرارتی ہنسی نے ژالے کا دل نہیں جلایا بلکہ وہ اپنی کیفیت کو ارحم سے چھپانے کی خاطر سر جھکا گئی۔

''وہ اس لیے ژالے میڈم کہ اتنا تو کنفرم تھا کہ ہماری شادی ضرور ہوگی اسی لیے پہلے کبھی اپنی محبت اور دل کا حال نہیں بتایا اور مجبوراً یہ سارا ڈراما رچانا پڑا اور ایک بات بڑے ابا کو سب کچھ سچ سچ پتا ہے۔ ان سے میں نے کچھ نہیں چھپایا۔'' آج تاریخی دن تھا جہاں ایک سے بڑھ کر ایک انکشاف ہورہا تھا۔

''یعنی اس نکاح اور رخصتی والے کھیل میں بڑے ابا بھی تمہارے ساتھ شامل ہیں۔'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''جی ہاں۔'' ارحم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''قسم سے دل تو یہ کررہا ہے کہ تمہارا سر پھاڑ ڈالوں۔'' سائیڈ ٹیبل پہ موجود ارحم کا پسندیدہ الارم کلاک اٹھاتے ژالے نے اسے ڈرایا۔

الارم کلاک اس کے ہاتھ سے لے کر واپس میز پہ رکھتے ارحم نے اپنی جیب سے ایک مخملی ڈبیہ نکالی جس میں انتہائی خوب صورت انگوٹھی رکھی تھی۔ارحم نے استحقاق سے ژالے کا ہاتھ تھاما اور انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

''سچ تو یہ ہے ژالے جی کہ محبت نہیں بندے کو عشق ہے تم سے اور اس عشق نے مجنوں، فرہاد یا ارحم سب کو ہی سگِ درِ جاناں بنا ڈالا تو شوق سے کرو اپنا یہ شوق بھی پورا۔اب چاہے سر پھوٹے یا ماتھا، ہم نے تو ہاں کردی ہے اور پھر بینڈیج بھی تمہیں ہی کرنی ہوگی۔'' اس نے شرارت سے ژالے کی طرف دیکھا۔

کمرے میں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور خوشنما رنگوں پہ ارحم کی محبت کے رنگ حاوی ہورہے تھے۔ژالے نے مسکراتے ہوئے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔

اختتام